امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شرائط

امام ابو حامد محمد غزالیؒ / عارفہ اقبال

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' یا احتساب' ہر اس شخص پر واجب ہے جو عاقل' بالغ اور مسلمان ہو' اور احتساب کی قدرت رکھتا ہو' اس طرح مجنون' نابالغ' کافر اور عاجز کو چھوڑ کے' ہر مسلمان پر واجب ہے' اگرچہ حکومت کی طرف سے اجازت نہ دی گئی ہو۔ اس وجوب میں عورت' غلام اور فاسق بھی داخل ہیں۔ اب ہم ان شرائط کی وجوہات بیان کریں گے' اور جو شرائط ہم نے شامل نہیں کیں ان کے ترک کی وجوہات بھی۔

شریعت کے ہر حکم کی طرح اس معاملہ میں بھی شرطِ اوّل' مکلف ہونا یعنی عاقل اور بالغ ہونا ہے۔ لیکن یہ وجوب کی شرط ہے' جواز کی نہیں۔ چنانچہ ایک تمیزدار لڑکے کے لیے جائز ہے کہ وہ منکر سے روکے' مثلاً شراب کو بہا دے۔ وہ ثواب پائے گا اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ اسے روکے۔ جس طرح وہ نماز اور امامت کا اہل ہے' منکر سے روکنے کا بھی ہے۔

دوسری شرط مسلمان ہونے کی ہے۔ کیونکہ احتساب دین کی نصرت کا نام ہے' تو دین کا منکر اس کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔

عدالت کی شرط

بعض لوگوں نے تیسری شرط عادل ہونے کی لگائی ہے۔ ان کی رائے میں فاسق کے لیے احتساب کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک' اوّل تو قرآن نے ان لوگوں پر سخت الفاظ میں وعید کی ہے جو دوسروں کو تو حکم دیتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ دوسرے' آدمی کو پہلے اپنی برائی کی اصلاح کرنا چاہیے' پھر دوسروں کی۔ تیسرے' جو خود راہ پر نہیں ہو گا وہ دوسرے کو کیسے درست کرے گا۔ لیکن ہمارے خیال میں حق یہی ہے کہ فاسق

کے لیے احتساب جائز ہے۔

اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ محتسب سب گناہوں سے پاک ہو' تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ احتساب کا دروازہ بالکل بند ہو جائے' کیونکہ معصوم تو صحابہ بھی نہ تھے۔ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کیا کرے جس میں کوئی گناہ نہ ہو تو کوئی بھی اس امر کی تعمیل نہ کر سکے گا۔

کہا جاتا ہے کہ صغیرہ گناہوں سے پاک ہونا شرط نہیں ہے' مثلاً ریشم پہننے والا زنا اور شراب خوری سے منع کر سکتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرنے والے لشکروں میں تو شرابی' یتیموں پر ظلم کرنے والے اور ہر قسم کے گناہ گار ہمیشہ شامل رہے --- نہ حضورؐ کے وقت میں ان کو جہاد سے منع کیا گیا نہ بعد میں --- تو جب ایک شرابی اور زانی کفر سے روکنے کے لیے جہاد کر سکتا ہے تو کیا وہ قتل سے منع نہیں کر سکتا؟ یہ دلیل بھی صحیح نہیں کہ ایک گناہ گار' اسی جیسے یا اس سے کم درجہ کے گناہ سے نہیں روک سکتا۔ اگر شرابی' قتل اور زنا جیسے بڑے گناہوں سے منع کر سکتا ہے' تو زانی شراب خوری سے بھی منع کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی خود شراب پیے اور اپنے خادموں کو شراب پینے سے منع کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خود شراب نہ پینا اور دوسرے کو شراب پینے سے روکنا' دو الگ الگ حکم ہیں۔ ایک حکم نہ ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا حکم بھی نہ مانا جائے۔

کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے' جس طرح نماز سے پہلے وضو ضروری ہے۔ اگر کوئی وضو کرلے اور نماز نہ پڑھے' وہ اسی شخص کی طرح ہے جو اپنی اصلاح نہ کرے اور دوسرے کی اصلاح کرنا چاہے۔ ہمارے خیال میں یہ مثال غلط ہے' کیونکہ وضو اور نماز ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور احتساب کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح ایک شخص اگر وضو کرلے اور نماز نہ پڑھے' تو اس کا عذاب اس شخص کی نسبت کم ہو گا جو وضو اور نماز دونوں کا تارک ہو۔ اسی طرح جو شخص منع کرنا اور خود باز رہنا دونوں چھوڑ دے گا اس کو عذاب زیادہ ہو گا بہ نسبت اس کے جو دوسرے کو منع کرے اور خود وہی کام کرے۔

یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ ایک شخص خود گناہوں میں آلودہ ہو اور دوسروں کو گناہ کرنے سے روکے۔ لیکن عجیب لگنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔ پیروی دلیل کی کی جاتی ہے نہ کہ وہم و خیال کی۔ ایک زانی کسی عورت کو احکامِ حجاب کی خلاف ورزی پر ٹوکے تو ہر ایک

اس کو برا سمجھے گا۔ لیکن یہ اس لیے نہیں کہ ایک حرام کرنے سے دوسرا فریضہ حرام ہو گیا' بلکہ اس سبب سے کہ اس نے زیادہ ضروری چیز کا خیال نہ کرکے کمتر ضروری چیز اختیار کی۔

فاسق آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے' تو اوّل تو اس لیے برا ہے کہ اس کے لیے آخرت میں' بہ نسبت دوسرے کے گناہ کے' اپنے گناہ زیادہ نقصان دہ ہوں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص خود برے کام کرتا ہو اس کا وعظ دوسرے پر اثر نہیں کرتا۔ اگر معلوم ہو کہ یہ شخص میرے فسق کا حال جاننے کی وجہ سے میری بات کا اثر نہیں لے گا تو پھر احتساب واجب نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس صورت میں عادل ہونے کی شرط صحیح ہو گی۔ لیکن جہاں احتساب طاقت کے استعمال سے ہو' اور فاسق کے پاس طاقت ہو' تو اس میں عادل ہونا شرط نہیں۔ اگر ایک گناہگار شخص شراب گرا دے یا لہو کے آلات توڑ دے تو اس کو روکا نہیں جا سکتا۔

حکومت کی اجازت

چوتھی شرط بعض لوگ یہ لگاتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے حاکم کی طرف سے اجازت ضروری ہے' ہر ایک یہ کام نہیں کر سکتا۔ ہمارے خیال میں یہ شرط باطل ہے۔ کیونکہ دین کا عام حکم ہے کہ برائی جہاں جس حال میں دیکھے منع کرے' جو شخص خاموش رہے وہ گناہ گار ہو گا۔ اس پر حکومت کی اجازت کی قید لگانا دعویٰ بے دلیل ہے۔

دراصل اس فریضہ کے پانچ مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ بتانے کا ہے' دوسرا نرم الفاظ میں نصیحت کرنے کا' اور تیسرا سخت الفاظ میں ٹوکنے کا۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں صورتوں میں حکومت کی طرف سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث میں حکمراں کے خلاف سچ بولنے کا حکم ہے اور اس میں اس کی اجازت کا سوال ہی نہیں ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ زبردستی کی جائے' مثلاً لہو کے آلات توڑ دیے جائیں یا چھینا ہوا مال غاصب سے چھین کر مالک کے حوالے کر دیا جائے۔ ہمارے نزدیک اس کے لیے بھی حکومت کی اجازت ضروری نہیں۔ پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ مددگار جمع کرکے قوت کے ذریعہ برائی سے روکا جائے۔ یہاں یہ بحث ہو سکتی ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر یہ فعل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس صورت میں بلوہ بھی ہو سکتا ہے۔

اکابر سلف ہمیشہ حکمرانوں کا احتساب کرتے رہے ہیں' اور اس سلسلہ میں ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت کی طرف سے اجازت ضروری نہیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ

مہدی طواف کرنے آیا تو عام لوگوں کو خانہ کعبہ کے پاس سے ہٹا دیا گیا۔ عبداللہ بن مرزوقؒ وہاں موجود تھے۔ انھوں نے لپک کر مہدی کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دور نزدیک سے ہر آنے والے کو یہاں قریب ہونے کی اجازت دی ہے' تو خانہ کعبہ کے قریب جانے سے روکنے والا کون ہوتا ہے؟ مہدی نے ان کو قید کروا دیا اور وہ اس کی وفات تک جیل میں رہے۔ ایک واقعہ ہارون رشید کے زمانے کا ہے کہ اس کا غلام موسیقی کا آلہ عود لیے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک بوڑھے نے دیکھا تو اس کے ہاتھ سے لیا' اور زمین پر مار کے توڑ ڈالا۔ غلام نے ہارون کو بتایا تو اس نے بوڑھے کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اس کے آنے سے پہلے ہارون کو فکر ہوئی کہ یہاں کئی منکر چیزیں ہیں' یہاں سے ہٹوا دیں یا کسی اور جگہ چل کر بیٹھیں۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ دوسری جگہ چل کر بیٹھا جائے۔ بوڑھا آیا تو ہارون نے اس سے اس کی حرکت کا سبب پوچھا۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ میں نے تمھارے باپ دادا ہی کو منبروں پر یہ آیت پڑھتے سنا ہے:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذالقربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ میں نے ایک امرِ منکر دیکھا تو اس کو بگاڑ دیا۔ ہارون خاموش رہا اور اس کو جانے دیا۔

مامون کے زمانے میں ایک آدمی لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا پھرتا تھا۔ مامون نے اسے بلا کر پوچھا کہ تم یہ کام کیوں کرتے ہو جبکہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کام مخصوص کر دیا ہے۔ وہ ہماری شان میں فرماتا ہے: **الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔** اس آدمی نے جواب دیا کہ ہم اس معاملہ میں آپ کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر**' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن دوسرے مومن کے لیے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے۔ اللہ نے تم کو زمین پر حکومت دی ہے' جو شخص تمھارے فرائض کی ادائیگی میں مدد کرے تمھیں اس کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ مامون اس کی گفتگو سن کر خوش ہوا اور کہا کہ جاؤ اپنا کام کرتے رہو۔

مرتبہ کا فرق

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر شخص دوسرے کا احتساب کر سکتا ہے یا عمر' علم' مرتبہ وغیرہ کے تفاوت کا کچھ لحاظ کیا جائے گا؟ مثلاً کیا بیٹا باپ کا احتساب اسی طرح کر سکتا

ہے جس طرح کسی اور شخص کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹا باپ کا احتساب پہلے دو مرتبوں کے مطابق کر سکتا ہے' یعنی بتلائے اور ملائمت سے نصیحت کرے۔ سختی سے ٹوکنے اور مار پیٹ کرنے کا اسے حق نہیں ہے۔ لیکن ایک مرتبہ میں' یعنی طاقت کے ذریعہ نہی عن المنکر' مثلاً شراب گرانے جیسے معاملات میں ذرا تفصیل میں جانا پڑے گا۔ قیاس تو یہی کہتا ہے کہ بیٹے کو اس کا حق ہونا چاہیے کیونکہ مارنے اور گالی دینے کی طرح یہ افعال باپ کی ذات سے براہ راست متعلق نہیں ہیں۔ لیکن باپ کو ان سے تکلیف پہنچے گی' اور نوبت اس کی ناراضی تک پہنچ سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں اس طرح کی صورتِ حال میں یہ دیکھنا چاہیے کہ برائی کی نوعیت اور ناراضگی میں کیا تناسب ہے۔ اگر برائی کم درجہ کی ہے اور ناراضگی زیادہ' تو بیٹے کو باز رہنا چاہیے۔ مثلاً کوئی قیمتی تصویر خراب کرنے سے باپ کے بہت زیادہ ناراض ہونے کا ڈر ہو تو تصویر کو یونہی چھوڑ دینا چاہیے' کیونکہ یہ اتنی بڑی برائی نہیں ہے۔ شراب بہا دے' جس سے زیادہ نقصان نہ ہو اور زیادہ ناراضگی کا ڈر بھی نہ ہو۔ کیونکہ شراب پینا بڑا گناہ ہے۔

اس جگہ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کسی تخصیص کے بغیر ہر ایک کے لیے ضروری ہے' پھر ہم نے باپ اور بیٹے کے معاملہ میں اس طرح کا استثنا کیوں کر لیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کے حق میں خاص وہ باتیں وارد ہوئی ہیں جن سے باپ عام سے مستثنیٰ ہو گیا ہے۔ مثلاً زنا کی حد میں جلاد کو اپنے باپ کا قتل کرنا جائز نہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں جس طرح باپ بیٹے کا استثنا ہے' اسی طرح بیوی شوہر اور غلام آقا کا بھی ہے۔

رعیت کی طرف سے حاکم کا احتساب زیادہ مشکل معاملہ ہے۔ ہمارے خیال میں حاکم کو صرف بتانے اور نصیحت کرنے کی حد تک تو کوئی مشکل نہیں۔ لیکن تیسرا مرتبہ محلِ نظر ہے' کیونکہ بادشاہ کے رعب اور حشمت کو ختم کرنا ممنوع ہے۔ اگر کوئی بادشاہ کی شراب گرا دے تو لوگوں کی نظر میں اس کا رعب کم ہو گا۔ جب دو ممنوع جمع ہو جائیں' تو دیکھنا چاہیے کہ منکر کتنا بڑا ہے' اور بادشاہ کے خلاف قوت کے استعمال سے کیا نقصان ہو گا۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ جہاں تک شاگرد اور استاد کا معاملہ ہے' تو جو علم سکھائے اور خود عمل نہ کرے' شاگرد کو اسی علم کے مطابق اس سے معاملہ کرنے کی اجازت ہونا چاہیے۔ حسن بصریؒ سے اس معاملہ میں کسی نے سوال کیا کہ باپ کا احتساب بیٹا کیسے کرے۔ انھوں

نے جواب دیا کہ جب تک باپ کو غصہ نہ آئے تب تک نصیحت کرے اور جب وہ غصہ ہو جائے تو خاموش ہو رہے۔

احتساب کی طاقت اور قدرت

پانچویں شرط یہ ہے کہ محتسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ عاجز آدمی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ برائی کو دیکھ کر دل میں کراہیت محسوس کرے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کفار سے جہاد کرو اپنے ہاتھوں سے' اور اگر یہ نہ ہو سکے اور صرف ان کے سامنے ناک بھوں چڑھا سکو تو یہی کرو۔ محتسب کو اگر ایذا پہنچنے کا خوف ہو' تو احتساب کا فریضہ واجب نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر یہ علم ہو کہ منع کرنا مفید نہ ہو گا تو اس صورت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے میں کچھ باتیں قابلِ غور ہوں گی۔" اس طرح خود کو ایذا کا خوف اور منع کرنے کا دوسرے کے لیے پر اثر نہ ہونے کا علم' یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا اعتبار کیا جائے تو چار حالتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں باتیں جمع ہوں' یعنی احتساب کا اثر نہ ہو گا اور خود کو ایذا بھی پہنچے گی۔ اس صورت میں احتساب واجب نہیں۔ بلکہ بعض مواقع میں منع بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ لازم ہے کہ منکرات کی جگہ پر نہ جائے' تاکہ منکر کو دیکھنے کی نوبت نہ آئے۔ اس پر شہر کو چھوڑنا واجب نہیں' الا یہ کہ لوگ زبردستی منکر میں شریک کریں' یا حکمرانوں کے ظلم میں ان کی موافقت کرائیں۔ اسی صورت میں' قدرت ہو تو ہجرت واجب ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ منع کرنے سے فائدہ ہونے کا علم ہو اور ایذا پہنچنے کا خوف بھی نہ ہو' تو احتساب واجب ہے۔ قدرت کی جو شرط ہے وہ اسی کا نام ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ فائدہ نہ ہونے کا علم ہو لیکن تکلیف پہنچنے کا ڈر نہ ہو۔ اس صورت میں احتساب مستحب ہے۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ جانے کہ میرے فعل سے منکر ختم ہو جائے گا لیکن تکلیف پہنچنے کا ڈر بھی ہو۔ اس صورت میں بھی احتساب مستحب ہے۔ مثلاً کسی فاسق کے آلات لہو توڑ ڈالے' اگرچہ معلوم ہو کہ وہ جوتے لگائے گا۔ ابو سلیمان دارانیؒ سے مروی ہے کہ میں نے ایک منکر سے روکنے کا ارادہ کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ جان سے مارا جاؤں گا' لیکن قتل کے خوف سے میں نہیں رکا۔ مجھے اس اندیشہ نے روکا کہ دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ لوگ تعریف کریں' اس طرح جان بھی جائے گی اور فعل خالص اللہ کے لیے بھی نہ ہو گا۔

قوت سے منکر کے ازالہ کی شرائط

آیت قرآنی ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ کے پیشِ نظر' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قتل ہو جانے کے خوف کی موجودگی میں احتساب کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ کافروں سے لڑنے کا حکم ہے جبکہ قتل کیے جانے کا خوف موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح احتساب کا حکم بھی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس آیت سے دوسری معانی مراد لیے ہیں۔

حالتِ جنگ میں اس آیت کا اطلاق اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک عاجز آدمی جو دشمن کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے ان کی صف میں جا کر لڑنا شروع کر دے۔ لیکن تنہا حملہ کرنا بھی اس صورت میں درست ہو سکتا ہے جب یہ جانتا ہو کہ میں مارا تو جاؤں گا مگر دشمن کو نقصان پہنچا کے ہی مروں گا۔ یا یہ یقین ہو کہ میری بہادری کو دیکھ کر مسلمانوں کا رعب قائم ہو گا۔

اسی طرح احتساب کا معاملہ بھی ہے۔ محتسب کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کہ قتل کا خوف ہوتے ہوئے بھی برائی کو روکنے کی کوشش کرے' بشرطیکہ اس کی کوشش سے برائی ختم ہو سکے' یا فاسق کا رعب ختم ہو' یا دینداروں کو تقویت حاصل ہو۔ لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو کہ کسی کو شراب پیتے دیکھے' اور اس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو' اور یہ جانے کہ اگر میں اس کو منع کروں گا تو شراب پی کر میری گردن اڑا دے گا' تو ہمارے خیال میں ایسا احتساب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ مطلوب تو یہ ہے کہ احتساب سے دین کو فائدہ پہنچے اور اس فائدہ کی خاطر آدمی اپنی جان فدیہ کر دے۔ دین میں اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہوتی کہ دین کے کسی فائدہ کے بغیر آدمی اپنے بدن کو ہلاک کر دے' بلکہ یہ ممنوع ہونا چاہیے۔ نہی عن المنکر اسی صورت میں مستحب ہے کہ منکر کو مٹانے کی قوت ہو۔

اسی لیے اگر ایک منکر کو روکنے سے دوسرا منکر پیدا ہو' خصوصاً اگر زیادہ بڑا منکر پیدا ہو' تو احتساب ممنوع ہے۔ مثلاً اگر یہ جانے کہ میرے ساتھ' میرے عزیز' دوست' رشتہ داروں وغیرہ کو بھی ایذا پہنچائی جائے گی' یا یہ کہ کسی کے ہاتھ سے کوئی نجس شربت گرا دوں گا تو وہ شراب پینے لگے گا۔ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی شربت گرا دینا چاہیے' پھر اگر وہ شراب پیے تو گناہ گار ہو گا' محتسب پر اس کی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ بہر حال یہ فقہی مسائل ہیں' اور ان میں گمانِ غالب ہی سے حکم لگایا جاتا ہے۔

اس معاملہ میں زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ دونوں منکروں میں بڑا کون سا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر رہا ہو' اور دیکھنے والا سمجھے کہ میں اس کو منع کروں گا تو قتل نہیں کرے گا بلکہ مال لے کر بھاگ جائے گا' تو ایسی صورت میں منع کرنا چاہیے۔ کیونکہ قتل مال چھیننے سے بڑا منکر ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر اجتہاد کی ضرورت ہو گی کہ کون سا منکر بڑا ہے کون سا چھوٹا' احتساب کرنا چاہیے یا نہیں' مگر ہر شخص اجتہاد کا اہل نہیں ہوتا؟ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک عامی بجز کھلے کھلے مسائل کے --- مثلاً شراب نوشی' زنا' ترکِ نماز وغیرہ --- احتساب نہ کرے' بس دل میں برا سمجھے۔ بعض افعال معصیت ہوتے ہیں' مگر ان میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ عامی اگر اجتہاد کرے' اور اس کا اہل نہ ہو' تو ہو سکتا ہے کہ اصلاح کی بہ نسبت بگاڑ زیادہ کر دے' یا طرح طرح کے خلل اور فساد رونما ہوں۔ اسی لیے بعض لوگ حکمرانوں کی اجازت کی شرط لگاتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ علم کی جو بات کی گئی ہے کہ احتساب کے مفید ہونے اور ایذا پہنچنے کا علم ہو' تو یہ کیسا علم ہونا چاہیے؟ اگر ظن ہو تو کیا کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظنِ غالب علم کی طرح سمجھا جائے گا۔ جہاں ظن ایک دوسرے کے خلاف ہوں' وہاں علم کو ظن پر ترجیح دی جائے گی۔ بعض جگہوں پر علم کا حکم جدا ہوتا ہے' ظن کا جدا۔

اگر محتسب کو قطعی علم ہو کہ میرے منع کرنے سے فائدہ نہ ہو گا تو نہی عن المنکر کا فریضہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر ظنِ غالب غیر مفید ہونے کا ہو مگر احتمال مفید ہونے کا بھی ہو' اور ایذا کی توقع بھی نہ ہو' تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس صورت میں یہ فریضہ واجب ہو گا' اس لیے کہ اس میں ضرر تو کچھ نہیں اور فائدہ متوقع ہے۔ واضح نصوص' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہر حالت میں واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔ کیونکہ مقصود امر نہیں ہوتا بلکہ مامور ہوتا ہے' اس لیے اگر فائدہ سے قطعاً مایوسی ہو تو وجوب ساقط ہو سکتا ہے۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ ایذا متوقع ہو' لیکن نہ یقینی علم ہو نہ ظنِ غالب' بلکہ اس میں شک ہو' تو اس احتمال کی وجہ سے کیا حکم ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ظنِ غالب ایذا کا ہو تو احتساب واجب نہیں' اور اگر عدم ایذا کا ہو تو واجب ہے۔ اور احتمالِ ضعیف سے وجوب ساقط نہیں ہوتا' اس لیے کہ احتمال تو ہر موقع پر ہو سکتا ہے۔

ایذا کی توقع کی جو شرط رکھی گئی اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بزدلی اور جرات کے لحاظ سے ہر شخص کے ساتھ اس کا معاملہ مختلف ہوگا' تو اعتبار کس کا ہو؟ نامرد بزدل تو دور کے خطرہ سے بھی ڈرا کرتا ہے' جب کہ مرد بہادر کسی خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعتماد طبیعت کے اعتدال اور عقلِ سلیم پر کرنا چاہیے۔ نامردی اور بزدلی ایک مرض ہے' اور بے عقلی کی دلیری بھی اعتدال سے خارج ہے۔ دونوں کم عقلی کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں' مزاج میں افراط و تفریط کی وجہ سے بھی۔ کہیں شر کے مواقع معلوم نہیں ہوتے اور اس جہالت کی وجہ سے جری ہو جاتا ہے' کہیں دفعِ شر کے مواقع نہیں جانتا اور اس جہالت کی وجہ سے نامردی دکھاتا ہے۔

ضرر کی حد

اب اگر کہا جائے کہ ضررِ متوقع کی حد کیا ہے؟ کبھی کسی شخص کو ایک لفظ ہی سے ایذا پہنچ جاتی ہے' کبھی مارپیٹ سے' کبھی غیبت و چغلی سے' تو ایک حد بتانا چاہیے جس سے احتساب کا وجوب ساقط ہو جائے۔

یہ ایک دقیق بحث ہے۔ پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کو' اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے لیے چار چیزیں مطلوب ہوتی ہیں: یعنی علم' صحت' ثروت اور جاہ۔ جو ہو اس کا چھن جانا' اور جو نہ ہو اس کے ملنے کی توقع ختم ہو جانا' اس کو ناگوار گزرتا ہے۔ اس طرح ضرر کا مطلب یہی ہوا کہ ان چاروں میں سے کوئی چیز چھن جائے یا جس کی خواہش اس کے دل میں ہو اس کے ملنے کی کوئی امید نہ رہے۔

ان چاروں مطالب میں متوقع ضرر کی مختلف حالتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً استاد یا طبیب یا صاحبِ ثروت شخص کا احتساب اس خوف سے نہ کرے کہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنے علم یا طب یا مال سے فائدہ نہ پہنچائیں گے تو ایسی صورت میں فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ آئندہ مزید حاصل کرنا ایسی ضرورت نہیں کہ اس کے لیے فریضہ ساقط ہو' الاّ یہ کہ کوئی حاجت ہو' اور اس کے پورا نہ ہونے سے' بہ نسبت منکر پر خاموش رہنے کے زیادہ ضرر ہو۔ مثلاً اگر مرض بالفعل موجود ہے اور ڈر ہے کہ علاج نہ ہونے سے مرض بڑھ جائے گا اور نوبت ہلاکت تک پہنچ سکتی ہے۔ تو اس صورت میں طبیب کا احتساب نہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ یا' اگر محتسب کمانے اور سوال کرنے سے عاجز ہے' اور اس کی گزر بسر کسی شخص کی مالی امداد پر ہے' اور اگر وہ اس کا احتساب کرے گا تو وہ اس کی مدد بند کر دے گا' اور پھر محتسب کو مال

حرام کھانا پڑے گا یا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یا' اگر محتسب کو کوئی شریر ایذا پہنچاتا ہو اور اس کے شر کو دفع کرنے کا کوئی راستہ حکمران تک رسائی کے سوا نہ ہو' اور اگر وہ حکمران کا احتساب کرے گا تو رسائی نہ ہو گی اور شریر کی ایذا سے نجات نہ ہو گی۔ مگران معاملات میں فیصلہ کا انحصار محتسب پر ہے۔ اس کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے' اور ایک چیز کو دوسری کے ساتھ تول کر' دینی اعتبار سے ترجیح دینا چاہیے۔ اگر دین کے اعتبار سے خاموش رہے گا تو اس کا نام مدارات ہے' اگر خواہش نفس کی وجہ سے خاموش رہے گا تو اس کا نام مداہنت ہے۔ بس محتسب کو اپنے دل کی نگرانی کرنا چاہیے' اور جاننا چاہیے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ دین کی وجہ سے ہے یا خواہش نفس کی وجہ سے۔

دوسری قسم ضرر کی کسی حاصل چیز کے فوت ہو جانے کی ہے۔ علم تو فوت نہیں ہوتا' لیکن باقی تین چیزوں میں سے کوئی فوت ہو تو یہ سکوت کے لیے عذر معقول ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر برائی سے روکنے پر مار پٹائی کا ڈر ہو تو پھر یہ فعل واجب نہیں' لیکن مستحب ہو گا۔ اگر مکان لٹنے کا اور سازوسامان چھن جانے کا ڈر ہو تو بھی وجوب ساقط ہو جاتا ہے' لیکن استحباب باقی رہے گا' کیا مضایقہ ہے کہ دین پر دنیا کو فدا کر دے۔

مار اور لوٹ کے بھی کئی درجے ہیں۔ ایک بہت چھوٹا سا درجہ ہے جس کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے' یعنی ایک پیسہ کا نقصان یا آہستہ سے تھپڑ لگنا۔ ایک بڑا درجہ ہے جس سے وجوب ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بیچ کا درجہ ہے جو اشتباہ والا ہے۔ ایسی صورت میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ اسی طرح عزت کا معاملہ ہے۔ بے عزتی کا ایک درجہ بڑا ہے' مثلاً ننگے سر ننگے پاؤں شہر میں پھرانے کا ڈر ہو تو اس وقت احتساب واجب نہیں۔ ایک درجہ کمتر ہے کہ شان و شوکت سے رہنے کا عادی ہو اور احتساب کرنے کی صورت میں جانتا ہو کہ خراب حال میں پھرنا پڑے گا جس کی عادت نہیں' تو اس صورت میں احتساب کرنا لازمی ہے' کیوں کہ یہ زیادتی جاہ کی طلب ہے عزت بچانے کا معاملہ نہیں۔

اسی طرح اگر یہ ڈر ہے کہ لوگ برا کہیں گے یا غیبت کریں گے تو بھی وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اگر ملامت کے خوف سے وجوب نہ رہے تو پھر کوئی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ البتہ اگر کسی کی غیبت ہو رہی ہے' اور منع کرنے پر ڈر ہے کہ باز نہ آئے گا بلکہ غیبت مزید کرنے لگے گا' تو اس صورت میں احتساب کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس طرح معصیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اگر یہ ڈر ہو کہ احتساب کرنے کی صورت میں اپنا تو کوئی نقصان نہیں' لیکن اعزا و اقارب کو نقصان یا تکلیف پہنچائی جائے گی تو احتساب ترک کر دینا چاہیے۔ اپنی ایذا سخت ہوتی ہے' مگر دین کے اعتبار سے دوسروں کی ایذا زیادہ ہے۔ آدمی اپنے حقوق چھوڑ سکتا ہے' دوسروں کے حقوق ضائع کرنے کا سبب بننا جائز نہیں۔ اگر دوسروں کے حقوق بطریق معصیت ضائع ہوں گے' مثلاً ان کو مارا اور لوٹا جائے گا' تو بھی محاسبہ جائز نہیں' اس لیے کہ ایک بڑا منکر پیدا ہوتا ہے۔ اگر معصیت نہ بھی ہو' تو درست نہیں۔ مسلمان ایذا پائے گا' یہ بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں۔

غرض کہ اصول یہ ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے کوئی ایسی معصیت ہوتی ہے جس کا ضرر منکر سے زیادہ ہو تو محاسبہ نہ کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر حکمرانوں کا محاسبہ کرنے سے اپنا کچھ نہ جائے' مگر وہ اقربا' دوست اور ہمسایوں کو ایذا پہنچائیں' تو محاسبہ ترک کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ مسلمان کو ستانا زیادہ بڑا گناہ ہے' منکر پر سکوت کی بہ نسبت۔

اگر پوچھو کہ ایک آدمی کوئی بڑا گناہ کرتا ہے اور بغیر لڑے باز نہیں آتا' اور لڑنے سے وہ مارا جا سکتا ہے' تو اس سے لڑنا چاہیے' منع کرنا چاہیے۔ مثلاً کوئی شخص اپنا کوئی عضو کاٹ رہا ہو' اس سے لڑ کر اسے زبردستی روکا جا سکتا ہے' لیکن ڈر ہے کہ قتال میں وہ مارا جائے۔ تو ہماری رائے میں اس سے لڑ کر اسے روکنا چاہیے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مسلمان کے مال پر حملہ کرے' وہ اس کو اس طرح ہٹائے کہ اس کی جان جاتی رہے' تو درست ہے۔ لیکن پہلے سے اس گمان کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا کہ اگر تنہا چھوڑا گیا تو یہ اپنا عضو کاٹ لے گا یا کوئی میرا مال لوٹنے آ رہا ہے۔

سمجھنا چاہیے کہ معصیت کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ اگر کوئی گناہ کر چکا ہے تو اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے۔

۲۔ اگر فی الوقت گناہ کر رہا ہے' مثلاً شراب ہاتھ میں لیے ہوئے ہے' تو اس کو روکنا واجب ہے خواہ کسی طرح سے ہو۔ بشرطیکہ اس سے زیادہ بڑا منکر پیدا نہ ہو۔

۳۔ اگر معصیت کی توقع ہے' مثلاً محفل آراستہ کی جا رہی ہے لیکن شراب ابھی لائی نہیں گئی' تو درشتی اور ضرب جائز نہیں' البتہ سمجھایا جائے۔ ہاں' اگر عادت معلوم ہے اور انتظار میں ہیں کہ شراب آنے والی ہے تو سختی اور مار کے ذریعہ بھی روکا جائے۔

(تلخیص و تدوین: احیاء العلوم' جلد ۲) ----------